اہل کتاب اور ایمان بالرسالت

(۳)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے

تیسری آیت یہ پیش کی جایا کرتی ہے۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِن قَبْلِهِ هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ ۔ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۔ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۔

(۲۸ : ۲)

جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دی ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے جو ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا) ہے ہم تو اس سے پہلے ہی ماننے والوں میں سے تھے۔ ان لوگوں کو دہرا اجر ملے گا، بسبب اس کے کہ انہوں نے استقامت دکھائی اور وہ بدی کا دفعیہ نیکی سے کر دیتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اس سے نتیجہ یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اہل کتاب جب قرآن کریم پر ایمان لائیں تو ان کو دہرا ثواب ملتا ہے۔ "لہذا" اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو، بحیثیت اہل کتاب ہونے کے ایک حصہ تو ثواب کا ضرور مل جاتا ہے اس لیے قرآن ان کے محض اہل کتاب ہونے کی حیثیت کو بھی ایمان ہی سے تسلیم کرتا ہے۔

یہاں الجھن محض اسی "لہذا" نے پیدا کی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ قرآن

کریم نے دہرا حصہ محض اہل کتاب کے لیے ہی مخصوص نہیں کیا بلکہ بعض حالتوں میں جملہ اہل ایمان کے لیے دہرا حصہ مقرر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۵۷ : ۴)

اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تم کو اپنی رحمت سے ثواب کے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کریگا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے رہو گے۔ اور تمکو بخش دے گا۔ اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے پر جو دہرا ثواب دیا گیا ہے، اس میں ایک حصہ ان کے پہلے ایمان کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ دہرے حصہ میں دوسرے مسلمان بھی شامل ہیں نہیں۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کا یہ خاص اعجاز ہے کہ وہ ایسے اعتراضات کا جواب بھی ساتھ ہی ساتھ دیتا چلا جاتا ہے بشرطیکہ بصیرت سے اس کا مطالعہ کیا جائے (۵۷ : ۴) کی آیت اوپر درج ہے اس میں ذکر ہے کہ ایمان والوں کو دہرا حصہ ملے گا۔ اس کا جواب اس آیۃ کے ساتھ ہی متصل ہے

لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۵۷ : ۴)

(یہ دو حصے اس لیے عنایت کرے گا) تاکہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

لیجیے معاملہ صاف ہو گیا۔ یہ دو حصے اس لیے ہیں کہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ ان کے لئے ایک حصہ تو کجا، اس کا کوئی جزو بھی نہیں ہے۔ اللہ کا فضل مشروط بہ ایمان ہے۔ فرمائیے اب کیا اعتراض کی گنجائش ہے؟ انکا دعوی ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے پر چونکہ دہرے ثواب کا وعدہ ہے۔ لہذا اگر وہ ایمان نہ بھی لائیں تو ایک حصہ ان کا برقرار رہتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کاریگر سے کہیں کہ دیکھو بھائی! اگر تم ہمارا کام کر دو۔ تو ہم تمہیں ایک کی بجائے دو روپے دیدیں گے۔ اگر اس نے آپ کا کام ٹھیک کر دیا تو

دو روپے کا حقدار ہے۔ اور اگر اس نے نہ بھی کیا تو بھی ایک روپیہ کا تو اس کا حق کہیں نہیں جاتا۔ کیسے یہ کیسی منطق ہے؟ اگر یہی اصول درست ہے تو فرمائیے کہ قرآن کریم کے اس مقام میں آپکا کیا استدلال ہوگا جہاں رسول کریم کی ازواج مطہرات سے کہا ہے کہ:۔

مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ (۴:۳۳) جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگی تو ہم اس کو اس کا دہرا ثواب دیں گے۔

یعنی اگر وہ خدا و رسول کی فرمانبرداری کریں اور عمل صالح بھی کریں تو دہرا ثواب، لیکن اگر وہ (خدانخواستہ) خدا اور رسول کی فرمانبردار نہ بھی رہیں، اور اعمال صالح بھی نہ کریں، تو ان کو ثواب کا ایک حصہ تو ضرور مل جائیگا۔ ہے نا ٹھیک؟ اور اس منطق کو ذرا اور آگے بڑھائیے۔ فرمایا:۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ (۳۳:۳۰) اے نبی کی بیویو! جو کوئی تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کریگی اسے دہری سزا ملیگی۔

اسی منطق کی رو سے معلوم ہوا کہ اگر ازواج مطہرات میں (نعوذ باللہ) کوئی بے حیائی کا کام کرے گی تو دہری سزا ملے گی۔ اور اگر ایسا نہ بھی کرے گی، تو بھی ایک حصہ سزا کا تو ل کر رہے گا سبحان اللہ تعالیٰ عما یصفون۔

حقیقت یہ ہے کہ ثواب درحقیقت کا زیادہ حصہ لنا بعض حالات و شرائط کے تحت ہوتا ہے ایک کام آپ بلا کسی محنت و مشقت کے حسب معمول کر جائیں تو یقیناً اس کا اجر اتنا نہیں جتنا اس وقت کے عمل کا ہوگا جبکہ اس کے لیے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیں۔ آپکے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہو تو اس میں سے دس روپیہ خرچ کر دینے سے اللہ کی رحمتوں کا ہجوم اس کثرت سے نہ ہوگا جتنا اس حالت میں کہ آپ کے پاس صرف ایک پیسہ ہو، اور بھوک بھی لگ رہی ہو لیکن آپ اس کو خود استعمال کر لیں، اور آپ سے زیادہ مستحق ہو کا سامنے آ جائے اور آپ وہی اپنا سرمایہ اس کے حوالہ کر دیں۔ ازواج مطہرات کے اعمال حسنہ کا دگنا اجر اس لیے

ہے کہ انہوں نے دنیاوی آسائش و آرام کو دین کی خاطر ترک کرنا منظور کر لیا تھا، اور ان کے اعمال حیات کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑتا تھا۔ اہل کتاب جب ایمان لائے ہیں تو انہیں بڑی بڑی سخت آزمایشوں سے گذرنا پڑا تھا۔ معتقدات انسان کے لیے سب سے زیادہ عزیز سرمایہ ہوتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے معتقدات محض ان کے آباو اجداد کی تقلید میں تھے۔ وہ انہیں کسی خاص حقانیت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے برعکس اس کے عوام اہل کتاب اپنے معتقدات کو انبیاء و کتب سماوی کی طرف نسبت دیتے تھے، ان کے چھوڑنے میں قلب پر بڑا جبر کرنا پڑتا تھا۔ ان کے مذہبی مقتداؤں کے لیے یہ مرحلہ اور بھی زیادہ جانگسل تھا مذہب چھوڑنے سے ان کی "خدائی" ان کے ہاتھ سے نکل رہی تھی لیکن جنھوں نے اتنی بڑی آزمایشوں کا مقابلہ کیا، اور ایسی حالت میں مسلمان ہو گئے کہ اسلام قبول کرنے سے بظاہر دنیاوی مفاد بھی حاصل نہ ہو رہے تھے، ان کی جرأت ایمانی کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ یہ تمام حقیقت "بما صبروا" کے اندر مضمر ہے جس کی وجہ سے قرآن مجید انکو دہرے اجر کا مستحق قرار دیتا ہے۔

اب اس آیت کو لیجیے جو اس باب میں معترضین کا عروۃ الوثقیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی	تحقیق جو لوگ کہ ایمان والے ہیں۔ اور یہود اور نصاریٰ
وَالصّٰبِـُٔوْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	اور صابئین۔ جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ	اور عمل اچھے کرے۔ ان کا اجر ان کے اللہ کے پاس ہے اور
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲:۸)	ان کو کسی قسم کا خوف و حزن نہیں۔

اس سے نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ و صابئین سے صرف ایمان باللہ و آخرت کا مطالبہ ہے۔ ایمان رسالت و قرآن کا مطالبہ نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں ہم اب کسی مزید تفصیل و توضیح کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت یہ آیت اور نتیجہ مستخرجہ اسی ضمن کا ہے جیسے ہم (۳:۱۲) کی آیت میں دیکھ چکے ہیں۔

اور جس کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے مختصراً یہ کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ

۱۔ اہل کتاب کے ایمان باللہ و آخرت کو قرآن ایمان ہی تسلیم نہیں کرتا۔ (۹:۴)۔

۲۔ قرآن میں جہاں جہاں ایمان باللہ و آخرت کا مطالبہ ہے یہ اجمالی دعوت ہے جس کے اندر ایمان کے پانچوں اجزا شامل ہیں جن میں سے اگر ایک بھی ساقط ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہتا۔

۳۔ قرآن کسی عمل کو صالح قرار ہی نہیں دیتا تاوقتیکہ وہ ایسے ایمان کے ساتھ مشروط نہ ہو جیسا قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اور یہ ایمان کیسا ہونا چاہیے اس کے متعلق قرآن کا حتمی فیصلہ ہے جسے بغور سن لینا چاہیے فرمایا۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ (۲:۱۶)

اور یہ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تب راہ ہدایت پاؤ گے۔ کہدیجئے کہ نہیں بلکہ ہم تو ملت ابراہیم (پر رہینگے) ایک طرف ہو کر۔ اور وہ مشرک نہ تھے کہیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور جو کچھ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل کیا گیا تھا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام انبیاء کو دیا گیا ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مطیع و منقاد ہیں۔ پس اگر یہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو، تب وہ راہ ہدایت پر ہوں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ تو ہمیشہ سے (مخالفت پر ہی (رہے ہیں) سو عنقریب اللہ تمہاری طرف سے ان سے نمٹ لے گا اور وہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

ایمان کے متعلق صاف فیصلہ ہے کہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ (اگر یہ لوگ ایسا ایمان لائیں جیسا تم لائے ہو) لہٰذا ایمان کا مطالبہ خواہ کسی طور سے کیا جائے جب تک وہ اس شرط پر پورا نہیں اترتا ایمان نہیں کہلایا جا سکتا۔

اور اگر (۲:۸) کی رو سے یہی مانا جائے کہ صرف ایمان باللہ و یوم آخر کا ہی مطالبہ ہے تو اس میں تو یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (یعنی مسلمانوں) سے بھی یہی مطالبہ ہے یعنی جس طرح یہود و نصاریٰ صرف اللہ و آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے جس شرع و منہاج پر جی چاہے کاربند رہیں نجات کے مستحق ہو جائیں گے اسی طرح مسلمان بھی محض اللہ و آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے جس طریق پر جس طرح جی چاہے کاربند ہو جائیں نجات کے لیے کافی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر قرآن و رسول کا اتباع کن کے لیے ضروری ٹھیرا؟ اس آیت میں صرف اسلام کی عالمگیر دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت کا انسان اس دائرہ میں داخل ہو سکتا ہے کسی کے لیے اس کی نسل، رنگ، قومیت، مذہب، اس بارہ میں مانع نہیں نہ یہ کہ ہر فرقہ اپنے اپنے وہم و قیاس کے مطابق عمل پیرا ہونے سے مساوی نجات کا مستحق ہو سکتا ہے۔

حکایت دراز تر ہو گئی لیکن اسے ختم کرنے سے پیشتر ایک اور عقیدہ کا اظہار کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا پنجاب کے ایک صاحب کا دعویٰ ہے (اور ایسی ایسی جدتوں کے لیے پنجاب ہی کی سرزمین کچھ زیادہ راس ہے) شهادة من اهلها کہ رسول اللہ کی رسالت صرف عرب کے نبی اسمٰعیل کے لیے تھی۔ باقی دنیا کے لیے وہ بطور مجدد کے تھے (ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ "یہ رسول مجدد" کی ترکیب قرآن پر کتنا حسین اضافہ ہے) اپنے دعوے کی دلیل میں قرآن کریم سے ایسی آیات پیش کرتے ہیں جن میں نبی اکرم سے کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائیے جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا مثلاً۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا (یہ قرآن) خدائے عزیز الرحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ (۳۶:۱) کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے تھے۔

یا یہ آیت۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ۔ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ...(۶:۲۰)

اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے سو اس کا اتباع کرو، اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ کبھی تم لوگ یہ کہنے لگتے کہ کتاب تو ہم سے جو دو فرقے پہلے تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض غافل تھے یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہوتے سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح کتاب رہنما اور رحمت آگئی...

ان آیات سے ثابت کیا جاتا ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل کے پاس پہلے کتابیں آچکی تھیں اس لیے قرآن کریم صرف بنی اسمٰعیل کے لیے ہی نازل ہوا ہے (حقیقت یہ ہے کہ فکر انسانی کی بلند پروازی کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ جو نتائج چاہے مستخرج کرلے) خیر گذری جو ان کی نگاہ اس آیت پر نہ پڑی۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۔ (۲۶:۱۱۱) اور اپنے کنبہ کے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

اس سے تو وہ حضورؐ کی رسالت کو صرف آپ کے خاندان تک ہی محدود کر دیتے اور باقی ساری دنیا کے لیے آپ کو "مجدد" قرار دے لیتے۔

قرآن کریم نے تبلیغ کے مختلف مدارج دکھائے ہیں دعوئی نبوت کے بعد سب سے پہلے اپنے خویش اقارب ہی مخاطب کیے جا سکتے تھے[1]۔ چنانچہ یہ تبلیغ کا پہلا درجہ ہے۔

[1] انگریزی میں مثل مشہور ہے کہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۲۶:۱۱) اور اپنے کنبے کے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

پھر یہ دائرہ ذرا اور وسیع ہوا اور فرمایا۔

كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (۴۲:۱)۔ اور ہم نے عربی قرآن بذریعہ وحی کے تیری طرف بھیجا تو مکے اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو ڈرائے۔

پھر اس حلقہ میں اور وسعت ہوئی۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۔ (۳۶:۱) تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے تھے اس لیے وہ بے خبر ہیں۔

پھر ان کے ساتھ اہل کتاب بھی شامل ہوئے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ (۵:۳) اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا رسولوں کی غیر موجودگی میں تاکہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور آگاہ کرنے والا نہیں آیا۔ (سو تمہارے پاس بشیر و نذیر آگیا)۔

دیکھ لیجیے۔ اس میں اہل کتاب کے لیے بھی اسی حجت کا ذکر کیا گیا ہے جو غیر اہل کتاب "بنی اسمٰعیل" کے لیے ہمارے معترض نے (۶:۲۰) میں ظاہر کی تھی نیز عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ رسولوں کی غیر موجودگی سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ نبی اکرمؐ کی بعثت کے وقت کسی نبی کا صحیح پیغام کہیں موجود نہ تھا کیونکہ رسول کے پیغام کا موجود رہنا درحقیقت رسول کا موجود رہنا، اور اس کے پیغام کا گم ہو جانا خود رسول کا گم ہو جانا ہے۔ نبی اکرم کی رسالت اسی وجہ سے قیامت تک کے لیے ہے کہ انکا پیغام قیامت تک کے لیے محفوظ و مصئون ہے۔

پھر یہ دائرہ اپنی انتہائی وسعتوں تک پہنچ گیا اور حضورؐ کی دعوت تمام اہل عالم کے لیے بیان کی گئی

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۷:۱۵۸) کہدو اے محمدؐ کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں

دوسری جگہ ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۳۴:۳۸)

اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

نہ صرف اسی زمانہ کے مخاطبین کے لیے ہی بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے بھی

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ (۱:۶۲)

وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو آیتیں سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے، اور ان لوگوں کی طرف بھی جو ابھی تک ان میں نہیں ملے ہیں۔

آپ فرمائیے کہ رسولؐ کی رسالت تمام نوع انسانی کے لیے ہے یا صرف بنی اسمٰعیل کے لیے؟ اور اس کو بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے۔

یہ حقائق کسی مزید تبصرے کے محتاج نہیں نہ یہ کچھ ایسی باتیں ہیں کہ کوئی شخص جو تلاش حق کے خاطر ان کا مطالعہ کرے اس پر صحیح مطلب واضح نہ ہو۔ باوجود اس کے کچھ لوگ یہی عقیدہ رکھے چلے جاتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہر گروہ اپنے اپنے طریق پر کاربند رہ کر نجات حاصل کر سکتا ہے۔

آپ خود فیصلہ فرما لیجئے کہ اس عقیدہ کو قرآن کریم کی تعلیم سے کس قدر مناسبت ہے۔ میں خود ایک عرصہ تک حیران رہا کہ ایسے عقیدہ کا محرک کونسا جذبہ ہے اور وہ کونسی ایسی دلیل ہے جو ان کے نزدیک قرآنی حقائق پر بھی فائق ہے؟ ایک دفعہ ایک اچھے معقول مسلمان صاحب سے اسی عنوان پر گفتگو ہو رہی تھی میں نے قرآن پاک کی انہی آیات کو پیش کیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فرمانے لگے کہ صاحب کچھ بھی ہو یہ تو انتہائی

تنگ نظری ہے کہ قرآن یا محمد رسول اللہ کی نجات و سعادت محض اپنے ہی طریقہ و تعلیم کے ساتھ مشروط کر دیں اور باقی دنیا کے تمام مذاہب کو باطل قرار دیدیا جائے"۔ اس کے بعد یہی دلیل مختلف الفاظ میں مختلف احباب سے سننے میں آئی۔ آپ نے کچھ خیال فرمایا کہ اس خیال کی بنیاد کس عقیدہ پر ہے؟ ان حضرات نے دین کو بھی ایک دنیاداری کا معاملہ سمجھ رکھا ہے یوں سمجھیے کہ ان کے نزدیک (نقل کفر کفر نباشد) مختلف حضرات انبیاء متبعین کرام، اپنی اپنی جنس لے کر منڈی میں آئے ہوئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنی تجارت کے لیے، اپنے بڑھانے کی خاطر، اپنی جنس کو سب سے عمدہ اور خالص بتاتا ہے چنانچہ یہی آواز قرآن کی دکان سے بھی ان تک پہنچتی ہے، اور یہ بات واقعی نہایت تنگ نظری کی ہے کہ اپنے مذہب کے فروغ کی خاطر قرآن باقی تمام ادیان عالم کے پیروؤں کے لیے نجات کے دروازے بند کر دے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہر دکان میں وہی سودا بکتا ہے جس کا جہاں سے جی چاہے سودا خریدے تم دوسروں کا "منافع" مارنے کی خاطر ان کی جنس کو کھوٹی کیوں بتاتے ہو۔

یہ دلیل بڑی محکم اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے لیکن صرف دنیاوی تجارت کے بازار تک ہی اس کا اطلاق درست ہے جہاں ہر شخص کی دکان مختلف ہوتی ہے اور اس دکان کے نفع و نقصان کا اثر اس کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے برعکس اس کے مذہب کے متعلق یہ نقشہ نہایت مضبوطی کے ساتھ دل میں مرتسم کر لینا چاہیے کہ مذہب اسلام حضرت آدم سے لے کر نبی اکرم تک ہر زمانے میں خدا اور صرف خدا کی طرف سے آتا رہا ہے اس دکان کا وہ واحد مالک ہے حضرات انبیاء کرام کا اس میں کوئی ذاتی حصہ نفع یا نقصان نہیں ہوتا۔ یہ انتظام بھی اسی مالک حقیقی کا ہے کہ اپنی ایک ایجنسی کو بند کر دے کہ وہاں کے کارندوں نے بددیانتی شروع کر دی تھی، اور اصل مال میں کچھ ملاوٹ کر کے گاہکوں کو دھوکہ دے رہے تھے، اور اس کی جگہ دوسری ایجنسی کھول دے اگر یہی مالک اس قسم کا اشتہار دے کہ میری فلاں فلاں ایجنسی قابل اعتماد نہیں ہے خریدار دکان مطلع کیا جاتا ہے کہ اصلی مارکہ کا مال اب فلاں ایجنسی سے ہی ملا کریگا، تو فرمائیے اس ایجنسی کے ملازمین کی کیا

تنگ نظری ہے۔ اور مالک حقیقی کی کونسی جانب داری ہے۔ سند اس نبی امّی کے پاس یہ ہے کہ دوسری دکانیں اس مال پر جسے وہ اصل بتا کر پیش کر رہی ہیں، مالک حقیقی کی مہر نہیں دکھا سکتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے یہ تمام غلط فہمیاں مقام رسالت کی صحیح تحقیق نہ کرنے کی بنا پر ہیں۔ اگر رسول کو اللہ کا پیغمبر اور قرآن کو خدا کا کلام سمجھا جائے تو اس تنگ نظری کا الزام کس پر؟ تنگ نظری کا تو سوال ہی وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں ہم مذہب اسلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ کی تخلیق قرار دیدیں۔ اور یقین مانیے کہ ہمارے تجدد پسند، روشن خیال حضرات، خواہ زبان سے اس کا اقرار نہ بھی کریں لیکن جس قسم کے شبہات ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، وہ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ وہ رسول اللہ کو صرف ایک "راستباز انسان" ہی سمجھتے ہیں "رسول من اللہ" نہیں سمجھتے اور اسی بنا پر وہ تمام خیالات پیدا ہو رہے ہیں جنہیں رواداری، کشادہ دلی، وسعت ظرف وغیرہ کے نظر فریب مناظر میں چھپا کر سامنے لایا جاتا ہے بعض دیدہ و دانستہ لیکن اکثر ان میں سے خود بھی دھوکے میں ہوتے ہیں، اور اگرچہ بظاہر معلوم نہیں ہوتا لیکن یہ خیالات بھی اس مسموم فضا کا نتیجہ ہیں جو انہیں آہستہ آہستہ قرآن و رسول سے بالکل بیگانہ کرتی چلی جا رہی ہے اور ہم رفتہ رفتہ اپنے مرکز سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ یہ آواز جب تک عام بازاری حلقوں سے اٹھتی رہی، زیادہ اعتبار اور قوت حاصل نہ کر سکی لیکن واحسرتا! کہ بعض نہایت ممتاز اور ذمہ دار ہستیوں کی طرف سے بھی اس قسم کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ آج مختلف گوشوں سے جو عام طور پر ایمان بالرسالت کے خلاف اعتراضات پیدا ہو رہے ہیں، یہ انہی آوازوں کی صدا ہائے بازگشت ہیں۔ اس باب میں اس "گوگر جمد" کو مؤقر مجلہ معارف سے بھی تھوڑا سا گلہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ کی کتاب ترجمان القرآن پر اس عاجز نے جب تنقید لکھی اور اس میں ظاہر کیا کہ ترجمان سے اس قسم کے خیالات کی اشاعت ہو رہی ہے جن سے رواداری کے مقابلہ میں ایمان بالرسالت کی کوئی قیمت نہیں رہتی، تو اس کے بعد معارف میں اس عنوان پر ایک مبسوط مقالہ مدیر معاون معارف کے قلم سے شائع ہوا۔ اگرچہ اس میں راقم الحروف کے اعتراضات سے

اصولاً اتفاق کیا گیا تھا لیکن مضمون کچھ ایسا بیچ بچا کر، سمٹ سمٹا کر، منہ موڑ کر ادھر کو اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ، لکھا گیا تھا کہ جس سے :-

گاندھی جی بھی خوش رہیں۔ راضی رہے سرکار بھی

حتیٰ کہ آخر میں بحث کا خلاصہ لکھتے وقت یہ تحریر تھا کہ۔

"قرآن پاک نے اہل کتاب کو سب سے پہلے اس عالمگیر صداقت کے دین کو جو اسلام کا مرادف ہے اور جس کو اسلام کہتے ہیں، ماننے کی دعوت دی ہے تاکہ وہ کامل ہدایت پائیں، لیکن اگر وہ اس کو نہ مانیں تو دوسری دعوت اصل مقصد سے اتر کر بر سبیل تنزل یہ دی ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کریں تو اس سے بھی اسلام پورا نہیں تو اسلام کا قرب تو حاصل ہوگا۔" (معارف بابت مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۱۹۵)

صاحب مضمون نے اپنے مقالہ میں کہیں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے وہ نتیجہ نکالا جا سکتا جو انہوں نے بحث کے آخر میں نکالا ہے۔ اس لیے میں تو حیران ہوں کہ یہ "بر سبیل تنزل"، اصل مقصد سے اتر کر، دوسری دعوت قرآن کے کس مقام سے ثابت ہے؟ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ جہاں تک ہدایت و ضلالت کا تعلق ہے قرآن نے انسان کے لیے دو اور صرف دو ہی راستے بتائے ہیں: ظلمت و نور، کفر و ایمان، ضلالت و ہدایت ان کے بین بین، کوئی اور راہ قرآن کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (گمراہی اور ہدایت بالکل واضح ہو چکی)۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ۔ فَاِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ اب قبول کرے خواہ اس سے انکار کر دے) وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ (ہم نے اس کو دو نوکیں بتا دیے ہیں)۔ اسلام تو نام ہی دو ٹوک ہو جانے کا ہے اس لیے اسے دین حنیف (سب سے کٹ کر ایک ہو جانے کا دین) کہا گیا ہے۔ اس کے بین بین تو صرف منافقت کا راستہ ہے۔ قرآن کا تو فیصلہ ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ	جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ	اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا۔ (۴:۲۱)

تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں، اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔

کیا اہل کتاب کو بہ سبیل تنزل جس قسم کے ایمان کی دعوت معارف میں دی گئی ہے وہ یہی نہیں کہ

(۱) بعض رسولوں پر ایمان رکھیں اور بعض پر نہ رکھیں۔ اور

(۲) کفر اور اسلام کے بین بین ایک راہ تجویز کرلیں۔

اور کیا یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ان اہل کتاب کو قرآن میں کافرون حقاً (پکے کافر بلا شک وشبہہ کافر) کہا گیا ہے؟ نہ معلوم اس سے اسلام کا قرب کس طرح سے حاصل ہوگا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ "اُن کے اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کرنے" سے مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلی تعلیم حقیقی کتاب پر کاربند ہوجائیں، تو وہ اصلی تعلیم لیں گے کہاں سے؟ اگر آپ اس کے وجود کے قائل ہیں تو پیدا کیجیے۔ قرآن کا دعویٰ تو یہی ہے کہ ان کے پاس ان کی اصلی تعلیم موجود ہی نہیں۔ اور ان کی تحریف کے آپ خود قائل ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ۔

لیکن قرآن کے اس کہنے سے (جو اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے۔ اس کہنے سے) یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ قرآن نے یہودیت اور نصرانیت اور ان کی تحریف شدہ کتابوں کی صداقت کو تمام تر تسلیم کرلیا ہے (ایضاً ص ۱۹۵)

اگر وہ اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے سے بھی اسلام کے قریب آسکتے ہیں، تو آپ کے اس ٹکڑے سے کیا مطلب ہے کہ:۔

پس نتیجہ بحث یہ ہے کہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ اور ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے

بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت سے لوگ بے خبر ہیں۔ (ایضاً ص ۱۹۵)

نتیجۂ بحث تو بالکل یہی ہے لیکن اس میں یہ داخل نہیں کہ اہل کتاب اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہ کر بھی اسلام کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ نزول قرآن و بعثت نبوی کے بعد دنیا کا کوئی انسان کسی اور طریق پر کاربند رہ کر ہدایت و نجات کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا کہ یہ فیصلہ اس کا ہے جو نجات و ہدایت کی تمام راہوں کا مالک ہے کسی انسان کا فیصلہ نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ شَہِیْد۔